ہے۔ ایسی آزاد ریاستوں کی صورت میں کی جائے جن کی مشمولہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں اور انہیں کلی اختیا
حاصل ہوں۔ یہ صدیوں پرانا خواب تھا جس کی تعبیر کے لیے محمد علی جناح کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تشکیل کے لیے
کیا تھا۔ قائداعظم کی دور اندیش نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ برصغیر سے انگریزوں کے نکل جانے کے بعد مسلمان محکو
جائیں گے۔ اسی لیے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ترک کر کے مسلمانوں کے حقوق کی جدوجہد شروع کر دی۔
کوششوں کے نتیجہ میں ایک فیصلہ کن موڑ 23 مارچ 1940ء کا منٹو پارک کا جلسہ ثابت ہوا جس نے واضح طور
پاکستان کی بنیاد رکھ دی۔ قائداعظم اور ان کے ساتھیوں کی مدد اور قربانی سے 14 اگست 1947ء کو مملکت خداداد پا
وجود میں آ گئی۔

قیام پاکستان کے بعد بھی اس کی تعمیر اور ترقی کے لیے ملک کے بہت سے سپوتوں نے کام کیا اور
نظریے کی حفاظت کے لیے روپے پیسے، محنت، علم اور قلم سے اس کی آبیاری کرتے رہے۔ ابلاغ عامہ نے خصوصی
نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کی وکالت اور فروغ کا ذمہ تادم تحریر اٹھائے رکھا ہے۔ اخبارات اور دیگر نشریاتی
اس سلسلے میں اہم خدمات انجام دیتے آئے ہیں۔ بعض شخصیات نے اس مہم میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان
میں ایک بڑا نام اشفاق احمد کا ہے جو اپنی ذات میں مکمل نشریاتی ادارہ تھے۔ وہ ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار، ڈر
صداکار اور دانشور کی حیثیت سے نصف صدی تک ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ادبی دنیا پر حکمرانی کرتے رہے۔ ان کی تحر
نمایاں موضوع اخلاقیات، وطن سے محبت اور نیکی کا پرچار رہا۔ تاہم اس کے لیے جو اسلوب اور ذرائع اور طرز تحر
وہ نہ صرف نیا، انوکھا، دلچسپ تھا بلکہ لوگوں کے لیے بہت پرکشش بھی تھا۔ اگر کہا جائے کہ انہوں نے وعظ کو جد
شکل دی تو غلط نہ ہوگا۔ بالخصوص آخری عمر میں ان کا پروگرام ''زاویہ'' ایک جدید سکالر کی دانشورانہ گفتگو کا حسین گل
تاہم اشفاق احمد کی بطور براڈ کاسٹر قومی خدمات سب سے زیادہ قابل تحسین ہیں۔ ریڈیو سے انہیں خاص لگاؤ تھ
کے لیے لکھنے کا جو فن اشفاق احمد کے پاس تھا، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکا۔ ریڈیو ڈرامہ اور فیچر پروگرام کے
مانے جاتے ہیں۔ ایک ''تلقین شاہ'' کی مثال دینا ہی کافی ہے۔ چالیس سال کے طویل عرصہ پر محیط یہ فیچر پروگ
پاکستان لاہور سے ہر ہفتے باقاعدگی سے چلتا رہا اور ان کی وفات تک جاری رہا۔ اس پروگرام کو وہ نہ صرف لکھتے تھے
کے اصل ہیرو اور روح رواں ''تلقین شاہ'' کا کردار بھی خود ادا کرتے تھے۔ وہ ایک طویل عرصہ تک اسے خود پرو
کرتے رہے۔ ''تلقین شاہ'' نے بطور پاکستان کی آواز جو خدمات انجام دی ہیں، شاید ہی کسی اور پروگرام کے حصے
ہوں۔ یہ اشفاق احمد کی قومی خدمات کی معراج تھی۔ گو انہوں نے پاکستان کے حوالے سے لاتعداد کھیل لکھے۔
شاہ ایک شاہکار ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ''تلقین شاہ'' کا موضوع پاکستان تھا۔ پاکستان کی سیاست
پالیسی، معیشت، معاشرتی ترقی، ادب، تاریخ، نظریات، اخلاقیات، عالمی مسائل، مسلمانوں کی پسماندگی کے
قوموں کے عروج و زوال، عالمی سیاست و معیشت، غربت، علاقائی کشمکش، پاک بھارت تعلقات، کشمیر، فلسطین، مذ
سائنسی ترقی...... الغرض کوئی ایسا شعبہ، ایشو، شخصیات اور علاقائی، قومی اور عالمی مسئلہ نہ تھا جو اس میں ایک خوبصورت
اور پُرکشش ڈرامائی انداز میں discuss نہ ہوتا۔ ''تلقین شاہ'' نے پاکستان کے نظریات کو نشریاتی دفاع سے مضب

ہر دور میں، ہر حکومت میں، ہر حالات میں پاکستان کے داخلی علاقائی اور عالمی خلفشار کو نہایت خوبصورت طریقے دنیا کے سامنے رکھا اور اس کی وضاحت اور وکالت کی۔ اشفاق صاحب نے تلقین شاہ کے کردار میں تمام تر بیوں اور منفی رویوں کو اپنی ذات پر لے لیا اور اس کے ذریعے اصلاح کی راہیں بھی نکالیں۔ بالخصوص کشمیر کے شفاق صاحب نے ''تلقین شاہ'' میں تسلسل سے پیش کیا اور اس مسئلے کو اپنے پروگرام کے حوالے سے ہمیشہ زندہ م میں کشمیر کو ایک گلدان کے سمبل کے طور پر پیش کیا گیا۔ ایک گلدان جو اس پڑوسی کی ملکیت ہے جس کو اس نے میں زبردستی سجا رکھا ہے اور واپسی کے لیے ہر مرتبہ نت نئے حیلے بہانوں سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ پڑوسی ہاشمی یں اور کشمیر کو گلدان کی شکل میں پیش کیا۔ تلقین شاہ کے معاون کرداروں میں ہدایت اللہ، زہرہ، سلیمان، رقیہ، جبن یرہ مستقل کردار تھے۔ ''تلقین شاہ'' پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشریح، حمایت اور وکالت کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ ک بھارت جنگ 1965ء اور 1971ء میں یہ پروگرام حکومت پاکستان اور مسلمانوں کی نمائندہ آواز رہا ہے۔ ے فوجی جوان سرحدوں کی حفاظت میں جان کی بازی لگا رہے تھے تو تلقین شاہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت تھ۔ 1971ء کی جنگ میں ''تلقین شاہ'' از خود سرحدوں پر پہنچ گیا اور اس کے عنوان اور کرداروں نے ایک نیا روپ ی اشفاق احمد داد ولوہار بن گئے اور پروگرام یوں شروع ہوتا ''دادو نوہار ولد شہ کالوہار، سکنہ کوٹری لوہاراں حال مقیم پل ---- آپ سے مخاطب ہے۔''

''تلقین شاہ'' پاکستان بلکہ برصغیر میں سب سے طویل عرصہ تک چلنے والا ریڈیو پروگرام ہے۔ اشفاق احمد نے ی فنکاری سے ادا کیا، لکھا اور پیش کیا۔ ان کی ذات براڈ کاسٹنگ کے شعبہ کی ایک جامع اور ماہر ترین مثال تھی کہ یہ نشریات کے ہر شعبے کو سمجھتی تھی اور اس پر مہارت رکھتی تھی۔ اشفاق صاحب نے ''تلقین شاہ'' کے ذریعے جو قومی ت ایک طویل عرصہ تک کی ہے اس کی مثال شاید ہی کوئی دوسرا شخص دے سکے گا۔ ریڈیو یوں بھی از خود ملکی خدمات میں حیثیت رکھتا ہے اور اس شعبے میں اشفاق صاحب کی حیثیت ایک رہنما کی سی تھی۔ ریڈیو پاکستان کے لیے ''تلقین پاکستان کے مختلف ایشوز پر اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موثر ذریعہ ثابت ہوتا رہا ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے آجانے سے اشفاق احمد وہاں بھی بانی لکھاری کے طور پر آئے اور اپنی وفات تک رہے۔ یہاں بھی ان کے ڈراموں کے موضوعات میں ملک سے محبت، اخلاقیات اور عالمگیر سچائی فرنٹ پر نظر آتی ہے پاکستان، قیام پاکستان، پیدائش قائداعظم اور دیگر اہم قومی دنوں، امور و واقعات اور معاملات پر اشفاق صاحب نے موثر طریقے سے حب الوطنی کے جذبات سے بھرپور ڈرامے پیش کیے۔ ان میں ان کا ''برگ آرزو'' اور ''ننگے طویل دورانیے کے کھیل شاہکار حیثیت کے حامل ہوں گے۔ ''ننگے پاؤں'' میں انہوں نے دو بڑی طاقتوں امریکہ یت یونین کی عالمی بالادستی اور اس کے نتیجے میں چھوٹے ملکوں میں پیدا ہونے والے مسائل اور ان طاقتوں پر انحصار یت دلچسپ اور ڈرامائی انداز میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح ''برگ آرزو'' پاکستان کے حوالے سے ایک جذباتی کھیل تھا سے محبت کے جذبات پیدا کرنے میں کمال مہارت سے لکھا گیا تھا۔

اشفاق صاحب کی توجہ انفرادی اور کردار سازی پر بھی گہری تھی، معاشرتی برائیوں کو اس انوکھے انداز سے پیش

کرتے کہ دیکھنے والا یوں تو ایک دلچسپ ڈرامہ دیکھ رہا ہوتا تھا مگر در پردہ وہ اپنے اندر از خود تبدیلی محسوس کرتا اور غیر طور پر مثبت رویوں کی طرف مائل ہونا شروع ہوتا جس کی ایک مثال ''فہمیدہ کی کہانی۔ استانی راحت کی زبانی'' ہے۔ کھیل میں بیجا نمود و نمائش، شو بازی اور دکھاوے کو جس پُر اثر انداز میں دکھایا گیا ہے، اس کی مثال ملنا محال ہے۔

اشفاق صاحب کی زندگی کے آخری پانچ سات سالوں نے ایک نئے اشفاق احمد کو دریافت کیا۔ یہ ایک اشفاق احمد تھے۔ اپنے ٹی وی پروگرام ''زاویہ'' میں وہ اپنی ذہانت، بصیرت اور دانشوری کی بہت اونچی منزل پر تھے۔ انسانی معاملات، انسان سے انسان کا تعلق، رویے اور زندگی کے دیگر اہم پہلو پر ان کی سیر حاصل، پُر اثر اور گفتگو ہر عمر کے لوگوں کے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ قومی اور ذاتی اہمیت کے موضوعات کو ذاتی تجربات اور واقعات جس پُر کشش طریقے سے سجاتے تھے، اس سے ایک گل و گلزار کھل اٹھتا تھا۔

اشفاق احمد کو ہم ایک افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے تو خوب جانتے ہیں مگر ان کی تحریر موضوعات کو اگر دیکھیں تو اس میں زندگی کے دیگر مسائل و معاملات کے علاوہ ایک قومی رنگ بھی نظر آتا ہے جو ان کے موضوعات میں نمایاں اور چھایا ہوا ہے۔ یوں اگر ہم ایسی شخصیت کا ذکر کریں جنہوں نے پاکستان کی بھرپور خدمت تو ان میں اشفاق احمد نمایاں شخصیت کے طور پر نظر آتے ہیں جنہوں نے بطور لکھاری اور براڈ کاسٹر قوم کی غیر معمولی کی ہے۔ یوم پاکستان کے موقع پر ہم ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے کردار کے لیے ایک عمدہ مثال ہے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

''تلقین شاہ'' کا پروگرام ریڈیو پاکستان کا منفرد پروگرام رہا۔ گینز بک آف انفارمیشن میں اسے ہونے والے دوسرے درجے پر رکھا گیا ہے۔ یہ پروگرام 1965ء میں شروع ہوا۔ پھر جب 1989ء میں آئیں تو دو سال کے لیے تلقین شاہ بند کر دیا تھا۔ شاید اس کی تحریک ہندوستان دوستی یا پھر کوئی اور وجہ؟ ان ہی دو سال لیے خان صاحب کی سروس اردو بورڈ میں بطور ڈائریکٹر بھی معطل کر دی گئی۔ اس وقت خان صاحب کو کل آٹھ ماہوار ملتے تھے لیکن یہ ماہانہ رقم ہماری ضرورت کے لیے بہت کافی تھی۔

جب نواز شریف تشریف لائے اور انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے کمال شفقت کا مظاہرہ کیا اور خان صاحب پروگرام ''تلقین شاہ'' بحال کر دیا۔ پھر نواز شریف نے اردو بورڈ میں بائیسویں گریڈ میں تقرری کر دی اور اس کے ساتھ ان کا Designation بھی ڈائریکٹر جنرل کا کر دیا۔ ان دنوں سارے صاحب لوگ اپنے رتبے کو اونچا کرنے کے سلسلے میں ڈائریکٹر جنرل بننے، کہلوانے میں سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ یقین جانیے انہوں نے اپنے نام کی تختی کے ساتھ کبھی اپنے رتبے کا اضافہ نہ کیا بلکہ گھر والوں پر بھی اس رتبے کا رعب ڈالنے کے لیے کبھی گریڈ کا انکشاف تک نہ کیا۔

تلقین شاہ ان کے آخری ایام تک جاری رہا۔ کام کے سلسلے میں جو Passion یا جذبہ کہہ لیں، وہ تلقین شاہ کے لیے رکھتے تھے، اس کا مقابلہ کوئی اور پروگرام نہیں کر سکتا۔ تلقین شاہ پورے 39 سال چلتا رہا۔ اب تو تلقین شاہ پر ڈرامہ

بھی چھپ چکی ہیں اور اس کے ٹیپ بازار اور میوزک کی دکانوں پر دستیاب ہیں۔ گو ان ٹیپوں کی مارکیٹ کو
سنگ میل پبلشرز سے کوئی اجازت نہیں لی گئی لیکن اس ضمن میں سرقہ اور چوری غالباً اب پوری دنیا کی بدلتی
ہے۔ اس لیے اس کے متعلق میں اپنی رائے محفوظ رکھتی ہوں۔

تلقین شاہ کی بنیادی تھیم ہمیشہ ایک رہی۔ اس میں خاں صاحب کی ایک ہی کوشش رہی کہ بھارت کو اس بات کا
جائے کہ سکیورٹی کونسل میں کشمیر کے لیے جس رائے عامہ پر بھارت نے اتفاق کیا تھا، اس وعدے کو ایفا
سے پہلے بھی ایک وعدہ کیا جا چکا تھا کہ جن ریاستوں میں مسلمانوں اکثریت ہوگی وہ پاکستان سے الحاق
اور جن ریاستوں میں ہندو اکثریت ہوگی وہ پاکستان کا حصہ نہیں گے لیکن حیدرآباد دکن کی ریاست کا جو حال
نے کیا، آپ کو معلوم ہی ہے۔

ہی فارمولے کے تحت پاکستان وجود میں آیا۔ ان وعدوں کو یاد دلانے کے لیے خاں صاحب نے 39 برس
بنیادی طور پر تو یہ جذبہ پاکستان سے والہانہ عشق تھا۔ انہوں نے قیام پاکستان سے بہت پہلے اس کے لیے
کی تھی۔ جگہ جگہ تقریریں اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگائے تھے۔

اس پروگرام میں انہوں نے گلدان کو کشمیر کی علامت کے طور پر استعمال کیا۔ ہمسائے سے بروقت اس گلدان کا
اور جس طرح بھارت ''اکھنڈ بھارت'' کے خواب میں کشمیر کے سب وعدے بھول گیا، ایسے ہی خاں صاحب کا یہ
پورا نہ ہو سکا۔

اس پروگرام ایک ایک بڑی خوبی یہ رہی کہ خاں صاحب نے اس پروگرام میں طنز کو ہتھیار بنایا۔ اپنے آپ کو
کے روپ میں پیش کیا جو ایک منفی کردار تھا اور نذیر حسینی کو تمام تر مثبت اقدار کا حامل بنا کر پیش کیا۔ نذیر حسینی کو تلقین
اور بے دام غلام رہا۔ آقا اور مالک کے علاوہ اس کے منہ سے کبھی کوئی اور لفظ تخاطب کا نہ نکلا لیکن اس نے تلقین
اقدار کو بڑی معصومیت اور سادگی کے ساتھ ماننے سے ہمیشہ انکار کیا۔

یہ دو کردار اور تھیم ہمیشہ قائم رہے۔ باقی کردار آتے جاتے رہے لیکن ان کی ساخت اور تراش خراش بھی خاں
کے آدرش سے جڑی رہی۔ ان میں ایک کردار (شمیم) ہمسائی کا تھا، جو تلقین شاہ سے لڑنے جھگڑنے اور اس کی
دوسری خاصیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے لایا گیا تھا۔ یہ شمیم فاطمہ صاحب مشہور و معروف مصنف فضل الرحمن کی
تھیں جنہوں نے ''ادھ کھایا امرود'' جیسی معرکے کی کتاب لکھی۔ گو نقادوں نے ان افسانوں پر زیادہ توجہ نہیں دی
پران افسانوں کو اردو کے سنجیدہ قاری کی نظروں سے اوجھل نہیں کیا جا سکتا۔

شمیم بیگم اچھی آواز ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا کھانا پکاتی تھیں۔ پروگرام کے دوران خاں صاحب کی عادت
ٹ کو جھڑکیوں سے نوازا کرتے لیکن جونہی پروگرام ختم ہو جاتا۔ وہ ریشم کی طرح نرم ہو جاتے۔ چائے کا دور
بیگم سے فرمائش کرتے فلاں چیز پکا کر لاؤ۔ شمیم یہ فرمائش پوری کرتی بلکہ فرمائشوں سے علیحدہ بھی بہت کچھ پکا
تی۔

شمیم کے علاوہ بیگم خورشید حفیظ نے تلقین شاہ میں ایک مدت رقیہ کا رول ادا کیا۔ بیگم خورشید حفیظ مشہور زمانہ

پاکستانی حفیظ جالندھری کی بیگم تھیں جنہوں نے پاکستان کا قومی ترانہ لکھا تھا۔ خورشید ہماری ہمسائی بھی رہی تھیں۔ اُن سے بڑے تعلقات رہے۔ حتیٰ کہ جب ہم آخری بار عمرہ کرنے لگے تو ان کی بیٹی رضا کے ہی پاس جدہ میں ٹھہرے۔

مشہور و معروف شاعر مرتضیٰ برلاس کی بیگم فریدہ بھی آخری سالوں میں تلقین شاہ کی زینت بنی رہیں۔ صاحب کے جانے کے بعد میری بہت دلجوئی کی۔ اپنے ہاتھ سے پھول بوٹے کاڑھ کر میرے لیے اوڑھنے ... لے کر آتی۔

ریاض محمود بہت جلد تلقین شاہ کا حصہ بن گئے۔ ان کا کردار صاحبزادہ صاحب کا تھا، جو تحیر کا سمبل ... شاہ کی خوشامد اور طنز کے درمیان اصلی سچ کو تلاش کرنے میں لگے رہتے۔

آخر آخر میں اکرم زبیر بھی اس پروگرام کا حصہ بن گئے۔ اکرم زبیر سیاحت کے محکمہ میں اعلیٰ افسر لگے ہیں۔ لاہور میں کچھ بسیں Tourism کو پروموٹ (promote) کرنے کے لیے چلائی جاتیں۔ ان بسوں میں اور بیرونی ممالک سے آنے والے سیاحت کے شائقین کو لاہور کی وہ تمام عمارتیں جو قابل ذکر ہیں اور جو امتداد زمانہ سے ماضی کی آب و تاب قائم نہیں رکھ سکیں، سیاحوں کی دلچسپی کا موجب بنیں۔ ان بسوں کا سارا چارج اکرم ... ہے۔ وہی ان میں فر فر بولنے والے گائیڈ مقرر کرتے ہیں۔ راستے میں Refreshment کا انتظام ان ہی کی ... ہے۔ Tourism کے ڈائریکٹر ل شاری صاحب اسلام آباد رخصت ہو گئے تو اکرم زبیر کی ذمہ داریاں اور بھی ... خاں صاحب کے جانے کے بعد اکرم زبیر اور ان کی بیگم انجم ابھی تک میری Rehabilitation میں لگے ہوئے ... انجم جب کوئی مزے دار نعمت پکاتی ہیں تو مجھے ضرور بھجواتی یا لے کر آتی ہیں۔

لمبے پروگراموں میں وقت کی تبدیلی کے باعث کاسٹ میں ردوبدل ناگزیر ہے۔ کچھ دیر کے لیے انیق ... بانو قدسیہ نے بھی اس میں شمولیت کی۔ انیق بیٹا اس میں نفسیاتی مسائل، ان کا الجھاؤ اور سلجھاؤ سمجھانے کی کوشش ... ایک پروفیسر کا رول دیا گیا تھا، لیکن بہت جلد خاں صاحب سمجھ گئے کہ یہ ہمارے ڈھب کا کام نہیں۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہماری وجہ سے خاں صاحب کی ریکارڈنگ کے دوران جو بے تکلفی اور چھیڑ کا عنصر ... خاں صاحب اس سے اجتناب کرنے لگے تھے اور باقی کاسٹ خاص طور پر نذیر حسینی بندھ کر رہ گئے تھے۔ خاں صاحب ... کچھ دیر کے بعد ہم سے رخصت چاہی اور ہم دونوں بڑے ادب سے تلقین شاہ کی سرحد سے نکل گئے۔

''تلقین شاہ'' کی ریکارڈنگ کے متعلق تھوڑا سا اور بتاتی چلوں۔

اولاً یہ پروگرام ریڈیو پاکستان میں ریکارڈ کیا جاتا لیکن اس میں کچھ اڑچنیں تھیں۔ کبھی سٹوڈیو وقت ... ملتا۔ کبھی مل جاتا تو ریکارڈنگ انجینئر مصروف ملتے۔ کبھی کبھی کاسٹ انتظار کر کے تھک جاتی یا انہیں کچھ اور مصروفیات کے پیش نظر جانا پڑتا۔ خاں صاحب کے لیے اتنی گڑبڑ قابل قبول نہ تھی۔ اسی لیے انہیں حل تلاش کرنا پڑا ... سرائے میں سٹوڈیو بنا لیا گیا۔

داستان سرائے میں ریکارڈنگ کا پھر ایک مسئلہ پڑ گیا۔ انجینئر صاحب ریڈیو پاکستان ہی سے آتے تھے ... کی مصروفیات کا کچھ ٹھیک پتہ نہ تھا۔ انیس ان دنوں ٹیپ ریکارڈوں میں بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ''نورا گو...

ف تھا کہ بگڑی ہوئی مشین فوراً درست کر لیتے۔ خاں صاحب نے ریکارڈنگ کا چارج انیس کو دے دیا۔
جس طرح انیق بیٹا اور میں خاں صاحب کے ساتھ چل نہ سکے شاید انیس بھی کچھ دیر بعد پروگرام سے علیحدہ

عجیب اتفاق ہے کہ بے حد خوش اسلوبی اور تواتر سے انیس ریکارڈنگ کرتے رہے۔ کئی بار وہ خاں صاحب کو ریکارڈنگ دوبارہ کرتے لیکن خاں صاحب کی عادت تھی وہ صاحب علم و ہنر کے آگے جھک جاتے تھے۔
میں اس وقت دقت پیش آئی جب یونیورسٹی میں انیس بیٹا ایم بی اے کر رہا تھا۔ گھر پر ان کے دوست شاہد پڑھاتے تھے۔
امتحان سر پر تھا۔ یونیورسٹی میں ایم بی اے کا کورس نیا نیا تھا لیکن انیس خاں میں کام کام اور پھر کام کی گھڑتی، کے Genes سے ملی تھی۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے بغیر تلقین شاہ کی ریکارڈنگ کراتا رہا لیکن جب اس کی میں ہوگئی تو پھر وہ بھی مجبور ہوگیا لیکن جانے سے پہلے ایک خوشگوار معجزہ ہوگیا۔
شیر احمد خاں کو قدرتی طور پر کرکٹ، ہوائی جہاز اور مشین سے لگاؤ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کرکٹ اور پائلٹ کھائی میں پڑ گیا لیکن ریکارڈنگ کا کام سنبھالتے اسے دیر نہ لگی۔ انیس کے جاتے ہی اس نے تلقین شاہ کی پوری ذمہ داری سے سنبھال لیا لیکن جب وہ این ڈی ایف سی میں ملازم ہوگئے، انہیں بینک میں دیر سویر ہونے بدل تلاش کیا گیا۔ رفیق محمد کو ریکارڈنگ کے لیے تیار کیا گیا۔ وہ چیک وغیرہ نہیں بنا سکتا تھا لیکن ریکارڈنگ مشاق ہوگیا۔
اسی دوران تلقین شاہ کے سارے اکاؤنٹ میری تحویل میں آگئے۔ کاسٹ کے چیک، ٹیکس ایٹ Source کی کتاب میرے ذمے تھے۔ شکر ہے مجھے عزیز الرحمٰن جیسے ٹیکس وکیل مل گئے۔ وہ خود ہی پیش ہوتے اور رسید سے جاتے۔ اس طرح تلقین شاہ کے پروگرام بغیر کسی التوا کے چلتے رہے۔
تلقین شاہ سے گزر کر اب انہوں نے کئی اور ریڈیائی اور ٹیلی ویژن پروگرام لکھے لیکن سب میں پاکستان اور ذاتی محبت سرایت کر گئی۔ جب وہ کفالت کے سلسلے میں روزی کمانے کے لیے سکرپٹ لکھتے تو بھی ان کی یہ Inner Co کسی نہ کسی سطر میں تفہیم میں ظاہر ہو جاتی۔ اس کی ایک بڑی اچھی مثال پیش کرتی ہوں۔
جب اشیر احمد خاں نے اپنی ذاتی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ''بونا سیرا'' کے نام سے کھولی تو اس نے ''روز چائل'' کے لیے پروگرام تشکیل دیا۔ یہ پروگرام عورتوں کے استعمال کے لیے پیڈوں کی مارکیٹنگ تھی۔ اشفاق صاحب شاید اپنے پروگرام نہ لکھتے نہ اشیر بیٹا ہی ایسا پروگرام پیش کرتا لیکن باپ نے بیٹے کی خاطر اور بیٹے نے حلال روزی کے حصول پروگرام بھی تیار کیے۔ اس پروگرام کا نام ''مانو منگولیا'' تھا۔ یہ سٹ کام تھا اور اس کا کلوزنگ انتھم کچھ یوں تھا۔
سٹ کام کے لفظ سے بھی میڈیا آشنا نہ تھا۔

مانو منگولیا..... مانو منگولیا

سٹ کام سٹ کام

کالی قوم گوری قوم

ڈاٹ قوم ڈاٹ قوم

اسی طور ان کے تمام پروگرام تھے۔ اس میں بھی کالی قوم گوری قوم کی طرف اشارہ اس بات کو ظاہر [illegible]
سوچنے والے انسان تھے۔

ہر ادیب میں ایک بات بہر کیف سانجھی ہوتی ہے۔ وہ اپنے تجربات، مشاہدات تخیلات قاری [illegible] share کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح فطرت انسان کے ساتھ اپنے اشجار، پھول، جھرنوں کی کن من، ہواؤں [illegible] صحراؤں کی وسعت، پہاڑوں کی سر بفلک اونچائیاں اور موسموں کی تبدیلیوں کو بھی شامل رکھتی ہے۔ آرٹسٹ اپنے [illegible] سفر میں قاری کو ہم شریک مسافر بنا کر شامل کرتا ہے تو قاری اندر کے کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں کھول کر وہ مناظر دیکھ [illegible] ہے جو دوران سفر ادیب کی نظر سے گزرتے ہیں لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ کبھی بھیانک تعفن بھرے، تکلیف [illegible] سے زیادہ عریانی کے منظر آنے پر کچھ کھڑکیاں بند کر دوں۔ کچھ ادیب اس قدر سچ بولنے کے عادی ہوتے ہیں [illegible] رات کے مناظر اور غسل خانوں کے دروازے کھول کر جنسی بھوک اور جسمانی غلاظت کو بھی قاری کے ساتھ share [illegible] پر بضد رہتے ہیں۔ یہ مناظر ذاکھ سچ سہی لیکن کسی کسی نفیس طبع حیادار قاری کے لیے بیزاری اور تعفن کا باعث بن جاتے [illegible] خاں صاحب کی یہی کوشش رہی کہ اسی قدر سچ بولیں جس قدر قاری ہضم کر سکے۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے [illegible] نے کبھی قاری کے کندھے پر بوجھ نہیں ڈالا۔

ٹیلی ویژن کے لیے جب انہوں نے ''اور ڈرامے'' تحریر کیے تو اس میں صابرہ آپا کو بیکو جی اور جمیل [illegible] بنایا۔ یہ ہمارے بگڑے معاشرے کی قدروں کو بے نقاب کیا کرتے۔ اسی میں ریاض محمود نے بابو علم دین کا رول [illegible] دو لٹے بابو علم دین کی بہن بن کر سامنے آ گئیں۔ یہ دونوں پھر خاں صاحب کے سیاسی مسلک کی جھلکیاں د[illegible] تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ''نالی تھلے'' ''ہم آ گئے'' ''ڈھول کا پول'' اور ایسے ہی کئی پروگرام لکھے جن کے [illegible] خاں صاحب کی یہی سوچ تھی۔ خود بتائیے ایسے معمار پاکستان کی خوش نصیبی نہیں تو اور کیا ہیں۔

ریڈیو سکرپٹ

مہندے دے گھر (پنجابی)	سیریل (دیہاتی پروگرام)
مسکن (اردو)	سیریل (عورتوں کا پروگرام)
معجون مرکب (اردو)	1
....	2
....	3
مشورہ (اردو)	(بادلوں سے پرے) افسانہ
ججّ (پنجابی)	دیہاتی پروگرام

پھلیاں (پنجابی)	دیہاتی پروگرام
ہلی دے تھلے (پنجابی)	سیریل۔دیہاتی پروگرام
کٹھ پتلی (اردو ڈرامہ)	جنرل پروگرام
ہن (اردو ڈرامہ)	جنرل پروگرام
ناہیں (اردو ڈرامہ)	جنرل پروگرام

فیچرز

رور راہ دان	9.15 رات-25 دسمبر 1956ء
ہلی دے تھلے	دیہاتی پروگرام-27 دسمبر 1956ء
حیرت کدہ	بطور ریڈیو Voice
آج اور آج کا دن	" " "
وقت سہانا	" " "
ضابطہ کارروائی	" " "

121-سی ماڈل ٹاؤن

''ذاتی مسلک''

یقین جانیے کہ جو کچھ بیرون میں ہوتا ہے، اس پر میں نے بہت کم نگاہ ڈالی ہے۔ یوں مجھے میری زندگی
سے گریز، سنی سنائی، بنی بنائی، محسوس کی گئی، اندازہ لگائی گئی تحقیق سے بہت دور ہوتی ہے۔ دُنیا کو بنیاد بنا کر سا
کر کے تاریخ وار حسابی شکل کے گوشوارے تیار کر کے لکھی گئی تصدیق شدہ کتابیں سائنسی طریق کار کے قریب ہوتی ہیں

عین ممکن ہے کہ میں نے کچھ واقعات غلط، کچھ حادثات بے ربط، کچھ بیانات افراط و تفریط کے ساتھ تحریر
ہوں۔ میں ابتداً معافی کی خواستگار ہوں کہ میں اشفاق احمد کو آپ کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی کوشش میں برسر
اشفاق احمد کون تھے؟ میں یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ اُن کا مسلک کیا تھا؟

کیا اشفاق احمد دنیادار تھے کہ صوفی؟

نرم دل تھے کہ پتھریلی چٹان؟

کام آنے والے کہ کام لینے والے؟

ان کے اندر کا شہر بے مثال کیسا تھا؟

اشفاق احمد کیا احساسات کے غلام تھے؟

کیا ان پر عقلی، ذہنی، اعصابی، نفسیاتی دورے پڑتے تھے؟

کیا ایسا تو نہیں کہ نظر آنے والا اشفاق احمد اور تھا اور اندر چھپ کر سمادھی لگانے والا، مراقبہ کرنے والا
اور قسم کا چھلاوہ تھا؟

غرضیکہ سوالوں کی ایک ٹیلی فون ڈائریکٹری میرے سامنے کھلی ہے اور عجیب معاملہ ہے کہ اب نمبر
فون مصروف ہوتا ہے یا گھنٹی بجنے پر answering مشین چل پڑتی ہے۔ کیا کیجیے زندگی میں بھی وہ کھل کر
سمجھانے والے نہیں تھے! بعد ازاں تو اور بھی مشکل ہے!!

میں نے کچھ تو یہ تحریر اپنی صفائی میں پیش کی ہے۔ کچھ ان لوگوں سے دست بستہ عرض کرنے کے سلسلے میں

...وں، تاریخی زائچوں، بادشاہوں کی تزکوں سے سچ کو چھان پھٹک کرنے کی عادت ہوا کرتی ہے۔ یہ کتاب ...یب کی قیاس آرائی، تخیل آزمائی، ارادت کے سلسلے میں محاذ آرائی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

مگر فقط یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے احمقوں کی طرح محبت کی پُر خار وادی میں قدم رکھا۔ قدم قدم پر ٹھوکر ...ت پائی، نصیحت حاصل کی اور پھر ہولے ہولے اس نتیجے پر پہنچی کہ محبت کا دعویٰ دار بر خود غلط انسان کی طرح ...ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت صرف اپنی محبت کی عینک لگا کر بیرونی حالات کی رائے قائم کرتا رہتا ہے۔

...پنی محبت کے آگے ماں باپ اور خاندان کی عزت کا کوئی بھرم قائم نہیں رکھ سکتا۔ عزت کی خاطر بھاگ جانے ...تی کرنا ایک نقطہ نظر ہے اور جب تک سچ کے دونوں پہلو نظر کے سامنے نہ ہوں، پورا سچ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ ...جس کے دونوں طرف مختلف شبیہ ہوتا ہے اور دونوں کا اپنی عزت اور محبت کا دو پلڑا ترازو واضح ہوتا ہے۔

...شتاق احمد خاں صاحب کے متعلق کچھ تحریر کرنے کا فیصلہ میں نے اس وقت کیا جب وہ میری رائے پر اثر انداز ...ہے درمیان میں نہ رہے۔ اگر وہ حیات ہوتے اور اشارتاً بھی مجھے منع کر دیتے کہ میں ان کو مشتہر نہ کروں تو مجھے ...ن کا احترام کرنا پڑتا لیکن آج جب وہ ہمارے بیچ نہیں رہے تو ہولے ہولے دھند چھٹ رہی ہے۔ کسی فرد کی ...ک پیمانہ ہے جس میں زندگی کو ناپنے کی صلاحیت ہے۔ ممکن ہے یہ پیمانہ معیاری نہ ہو لیکن اندازے اور پرتے ...ہے اس سے رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ اس فرد نے کہاں ٹھوکر کھائی، کہاں ٹکرایا، کس کھائی میں گرا، کیسے کیسے ...ل میں پھنس کر اپنا اور دوسروں کے زیاں کا موجب ہوا۔

...ن کے طفیل کیا سنورا کیا بگڑا۔ یہ سب مواد سمت نما ہوتا ہے۔ چھوٹے انسان کے تجربات سے بہت کچھ عبرت ...ہو جاتا ہے۔ خاں صاحب کی زندگی تو پھر بہت سارے حیرت انگیز واقعات سے بھری پڑی رہتی تھی۔ ایسی ...ے سے چھپانا تا نظر ثانی مجھے اخلاقی بد دیانتی لگتا ہے۔

...ں صاحب کو میں نے تھکے تھکے، چوری چوری، ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے زندگی گزارتے دیکھا ...ں جو اپنے خاندان کی محبت میں اس درجہ محو تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی رابطے کی خاطر اپنے ماں باپ، بہن ...ن سے بے وفائی کی۔ اسے بالآخر بانو قدسیہ اور خاندان کے درمیان جب فیصلہ کرنا پڑا تو ان دیکھے کی محبت ...پرانی محبتوں کے زخم رستے رہے۔ ان پر کھرنڈ آ جاتا تو خاں صاحب خود ہی تنہائی میں انہیں کھرچ کر ہرا کر ...باقی ماندہ زندگی اس احساس جرم سے شفایاب نہ ہو سکی۔

غم کے متعلق میرا اندازہ ہے کہ ہر شخص کو بقدر ضرورت غم سے شفا بھی ملتی ہے۔ خدا کسی کو بلاوجہ آزار میں مبتلا ...فرد کا غم ایک کشتی کی مانند ہے جو زندگی کے بہتے دریا میں بہا دی جاتی ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت، توفیق اور ...کے مطابق اس کشتی کو ڈوبنے سے بچاتا ہے۔ خوش نصیب وہ ہیں جن کی نیا انہیں ہدایت کے سفر پر چلاتی ہے۔ ...کی دوسرے کنارے پہنچ کر اللہ کی ہدایت کو پہنچ جاتی ہے اور وہ راضی برضا ہو کر اللہ کے فضل میں غرق ہو جاتے ہیں، ...غم ستانے کی اہلیت کھو دیتا ہے۔

...پھر اس بجرے کی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسے ایک ایسی تلوار بنا دیا جاتا ہے، جو دوسروں کی حفاظت، درد

اور رہائی کے کام آتی ہے۔ غم کے بجرے میں سوار دلگیر مسافر کو اپنا کوئی ذاتی غم نہیں رہتا۔ وہ اب دوسروں کے بن کر خود اپنے غموں سے مکمل چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ کچھ بدنصیب غم غلط کرنے کے لیے تجویزیں کرتے ہیں۔ لیے زندگی کی رنگینیاں بازو کھول کر منتظر رہتی ہیں۔ وہ طوائف کا عشق ہو۔ شام غم اجالنے کے لیے پینے پلانے جوئے خانے کی Excitement ان کا غم ہدایت آشنا ہو کر انسانی سطح سے اٹھنے نہیں پاتا۔ وہ غم کو بہلانے کا فن ہیں لیکن ہدایت کی تلوار نہیں بن سکتے۔

خاں صاحب کی زندگی میں اپنے خاندان سے بچھڑنے کا غم تھا۔ پھر جا بجا رنگین زندگی سے بچنے کے لیکن ان کی کشتی کسی کی دعا سے اللہ کی ہدایت سے ہمکنار ہو گئی۔ ان کی کشتی ایک ہی کایا پلٹ میں تلوار بن گئی۔ وہ رکشا کرنے والی، ظلم کے خلاف لہرانے والی، یتیم بیوہ، مظلوم کے لیے انصاف طلب کرنے والی تلوار بن گئے۔

میرا خیال ہے اسی کایا پلٹ میں ان کی زندگی برائی اور سبق آموزی ہے۔ شہاب صاحب کہا کرتے صوفی اور عام آدمی میں بنیادی فرق یہی ہے۔ واقعات دونوں کو ایک سے پیش آتے ہیں لیکن ردِ عمل دونوں کا ہے۔ صوفی بھی عشق کرتا ہے، ناکام ہوتا ہے۔ اسے بھی لالچ خودغرضی، حرص ستاتی ہے۔ اسے بھی قرض کی ہے۔ بل کا اس رزق کا خیال آتا رہتا ہے۔ وہ گرتا ہے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ معافی مانگتا ہے اور تب ہو جاتا ہے اُس کی روح پہلے سے زیادہ تابناک ہو جاتی ہے۔

میں نے تین لوگوں کو اسی طرح گرتے، اٹھتے اور پھر ہدایت پاتے دیکھا ہے۔ مفتی جی، شہاب صاحب... لیکن راستہ تینوں کا مختلف تھا۔ کشتی غم تینوں کی مختلف ساخت اور رنگ کی تھی۔ مستول ہر ایک کا شخصیتیں مختلف ہونے کے باعث انہوں نے زادِ راہ کا دانہ دنکا بھی اپنی مرضی سے جمع کیا۔

شہاب صاحب نبی پاک کا نام بہت کم اپنے منہ سے لیتے تھے۔ شاید یہ اُن کی عقیدت کی شدت کا تقاضا تھا۔ میں نے کبھی انہیں لہک لہک کر اپنی وابستگی کا اظہار کرتے نہیں دیکھا لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ معیار، پیمانہ انسانیت نبی پاک کو ہی سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک سنت پر عمل ہی انسانی کوشش کی معراج ہے۔ نے انہیں اثیر بیٹے سے کہتے سنا...... ''آج جب ہم جمعے کی نماز پڑھنے جائیں گے تو مسجد سے نکلتے وقت اپنے میں پہلے پاؤں دھرنا۔''

اثیر نے نو بالغ لڑکے کی ترنگ کے ساتھ پوچھا...... ''وہ کیوں شہاب چچا؟''

''وہ اس لیے بیٹے کہ میں نبی پاکؐ کی ایک ہی سنت اپنا سکا ہوں۔ اصل کام اس دنیا میں سنتِ نبویؐ ہی تو ہے...... اور آدمی یہاں کیا کرنے آیا ہے بھلا۔''

کہنے کو تو شہاب صاحب کہہ گئے۔ سننے کو تو اثیر خاں نے سن لیا لیکن اس کے بعد شہاب بھائی کچھ ایسے ہوئے کہ پھر اس ٹاپک پر کوئی بات نہ ہو سکی۔

مفتی جی وہ دوسرے درویش تھے جنہوں نے مادہ سے روح کی طرف قلابازی کھائی۔ مفتی جی کے شہاب صاحب کہا کرتے تھے کہ وہ جنت کے مجذوب ہیں۔ وہ دنیا میں بھی مجذوبیت کے لشکارے دکھاتے

جب ترقی پسند تحریک کے شیدائی ہو رہے تھے۔ مفتی جی سگمنڈ فرائیڈ کے نکتہ نظر سے وابستہ جنسی میلان کی ...رہے تھے۔

ترقی پسند پیٹ کی بھوک کے ستائے ہوئے لوگوں پر متوجہ تھے۔ مفتی جی جنسی بھوک کو انسانی بیچارگی کا اصل ...کی کہانیاں لکھ رہے تھے جن میں دبے ہوئے جنسی رجحانات کی باتیں آزادانہ در آتی تھیں۔ مفتی جی جنسی ...یں بڑے درد و کرب سے قلمبند کر رہے تھے۔ پھر مفتی جی کی کشتی غم کو یکدم ہدایت کا ساحل مل گیا۔ ...کی لمحے میں وہ کایا کلپ کا شکار ہو گئے۔ انہیں نظر آیا کہ یہ ایک جہت ہے جس پر میں کہانی لکھتا آیا ہوں، ...

یک چیز مابعدالطبیعیات بھی ہے۔ ایک سفر روح کا بھی ہے۔ ایک انتشار وہاں بھی منتظر ہے جس کا جواب مادی ...نہیں دیا جا سکتا۔ جس کا کوئی منطقی تجرباتی Analysis نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک مدت فرائیڈ کے تتبع ...نی دکھوں کا مداوا تلاش کرتے کرتے یونگ نے بھی بڑی تھکاوٹ محسوس کی تھی۔ وہ بھی Sub-Conscious. ...Co کے پانیوں پر تیرتا Cosmic-Consciousness کی آگہی تک جا پہنچا تھا۔

مفتی جی نے جب پلٹا کھایا تو وہ بابوں کی تلاش میں نکلے۔ انہیں ''تلاش'' لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہیں ...ی پور کا ایلی'' کی نئی Interpretation کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے ''الکھ نگری'' تحریر کی جس میں ...ب کو بے نقاب کرنے کی جرأت کی گئی۔ یوں ممتاز مفتی کو جو تلوار ملی، وہ اپنی نوعیت کی مختلف تلوار تھی۔ وہ مابعد کا ...ی تنویر کے متلاشی ہو گئے۔

...وحی کی اس ترشول کا تیسرا نوکدار حصہ اشفاق صاحب تھے۔ وہ (اندر کی تلاش چھپانے) بابوں کے ...چھے، ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنے میں مصروف رہے جن کی غالباً خود انہیں بھی سمجھ نہیں تھی۔ انہیں کیا ...وہ دراصل اپنے اور صرف اپنے لیے کیا چاہتے تھے؟ اس کا سراغ لگانے کے لیے انہوں نے بابوں کے ...ک چھانی۔

مجھے اور تو کچھ علم نہ ہو سکا۔ میں یہاں تک سمجھ پائی ہوں کہ انہوں نے نہ سنت رسول کی پیروی کی نہ مابعد ہی کا ...نے میں مصروف ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو خلق خدا کے حوالے کر دیا۔ اس طرح انہوں نے اللہ کو قرض ...نے کی رسم ڈال لی اور میں سمجھتی ہوں اسی قرض حسنہ کو اللہ نے وہ شہرت اور قبولیت بخشی جس کا فائدہ وہ آج بھی ...۔ انہیں ہدایت کی کشتی مل گئی اور وہ تلوار ملی جو خلق کے آگے چلتی تھی۔

...ہوں نے اپنے فرانسیسی اور اطالوی سوٹ، سیک لیدر کی جوتیاں، مہنگی خوشبوئیں ترک کر دیں۔ شلوار قمیض ...اللہ کی مخلوق کا حصہ بن گئے۔ اشفاق صاحب عموماً چھوٹی بات سے بڑا نتیجہ اخذ کیا کرتے تھے۔ وہ عجیب و ...بیرونی مواد سے اندرونی ذاتی مسلک کی تراش خراش کرتے رہتے۔ ایک ایسی ہی تحریر ملاحظہ ہو۔

...قسام ازل حساب کتاب کے معاملے میں کچھ اپنے جیسا ہی ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو بہت سی چیزیں

دی ہیں۔ پر ان کے استعمال کا شعور نہیں دیا۔ بہت سوں کو اس نے شعور دے رکھا ہے اور چیزیں مرحمت نہیں فر[illegible]
''سلپ اوور'' پہننے کے لیے بھی شعور کی ضرورت ہے لیکن میرے اکثر دوستوں کے پاس سویٹر تو ہیں پر شعور نہیں۔

وہ ''سلپ اوور'' کو بھی اسی طرح پہنتے ہیں جیسے قمیض یا بنیان پہنی جاتی ہے۔ سویٹر پہننے کے لیے ذوق [illegible] او گھنے کی حس کے لطیف ہونے کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ کو اس وقت ''سلپ اوور'' پہننے سے گریز کرنا چاہیے جب [illegible] آپ کو رنگوں کے خواص کا علم نہ ہو۔ گہرے اور بھڑکیلے رنگ ہمیشہ غیر سنجیدہ نہیں ہوتے اور صوفیانہ رنگ مستقل [illegible] نہیں کہلائے جا سکتے۔

اگر کوئی بوڑھا سفید ٹول کی قمیض اور لٹھے کی براق شلوار پر گہرے بسنتی رنگ کا سویٹر پہن لے تو اس [illegible] میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی بشرطیکہ اس کی چندیا بلور کی طرح ملائم اور شفاف ہے اور اس کے کانوں پر سیاہ رنگ کے [illegible] اُگے ہوئے ہیں۔ وہ تو بسنتی رنگ کے سویٹر میں انگریزی کے اس رسالے کی طرح دکھائی دے گا جو ملکہ وکٹوریہ کے [illegible] شائع ہوا کرتا تھا اور جس میں گھڑ سواروں کے کارناموں سے متعلق کہانیاں چھپا کرتی تھیں۔

اسی طرح اگر ستواں ناک اور گھنگھریالے بالوں والی کوئی نوخیز لڑکی صوفیانہ رنگ کا ''سلپ اوور'' پہن [illegible] کی دلکشی اور موہنی میں ذرہ بھر کمی بھی واقع نہ ہو سکے گی اور ہلکے بادامی رنگ کے سویٹر میں وہ ہمیشہ فرانسیسی صا[illegible] طرح دکھائی دیتی رہے گی۔ دیدنی! بوسیدنی! بوسیدنی! پھر پتہ نہیں لوگوں نے یہ قاعدہ کلیہ کیوں اور کیسے وضع کر [illegible] صوفیانہ رنگ سنجیدہ اور شوخ اور بھڑکیلے رنگ غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔

''سلپ اوور'' پہننے میں قوت شامہ کے غیر معمولی ہونے پر میں اس لیے زور دیتا ہوں کہ سویٹر آپ [illegible] آپ کے قریب رہنے والے جسم کے علاوہ چند ایسے غیر مرئی اجسام کی خوشبو کو بھی اپنے اندر سموئے رہتا ہے جس [illegible] آپ کو یوں نہیں ہوتا۔ رات کے وقت جب آپ اپنے بازوؤں کو علامت ضرب بنا کر سویٹر کا گھیرا ہاتھوں میں [illegible] اور اسے آہستہ آہستہ اوپر کھینچتے ہیں تو سب سے پہلے جس چیز کا احساس آپ کو ہوتا ہے وہ اس دوست کی جدائی [illegible] ابھی آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔

جونہی سویٹر کا گھیرا آپ کی ناک کے نزدیک پہنچتا ہے۔ آپ کو اس میں سے مٹی کے ذروں کی خوشبو آ [illegible] ایک صاف ستھرے سلیپنگ روم میں ذرات کی خوشبو صحرائے کالاہاری میں ٹھنڈے چشمے کا دریدر گتی ہے اور جب [illegible] آپ کی ناک سے آدھا گزر چکتا ہے تو اس میں دن بھر کی دھوپ کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ خدا لگتی کہیے ایک خ[illegible] رات میں دھوپ کی مشام طرب انگیز ہے کہ نہیں؟ جونہی اس میں سے دھوپ کی خوشبو آتی ہے آپ کا وہ دوست [illegible] آتا ہے جس سے ابھی آپ کی شناسائی نہیں ہوئی اور جونہی اس کا گریبان الٹ کر ناک کی پھننگ پر سے پھسلے [illegible] احساس ہونے لگتا ہے کہ آپ اپنے آپ سے گلے مل رہے ہیں اور آپ نے اپنے وجود کا بوسہ لے لیا ہے۔

''سلپ اوور'' پہننے کے شعور کا سب سے بڑا تقاضا یہ کہ ''پل اوور'' کبھی نہ پہنا جائے۔ پل اوور پہن [illegible] یہی محسوس کرتا رہتا ہے کہ وہ اپنے تاجر باپ کے ساتھ بازار کے بھاؤ اور مندی اور تیزی کی باتیں کر رہا ہے [illegible] میں ملبوس ہو کر آپ کو یوں لگتا ہے کہ آپ اپنی ماں کی گود میں سر رکھے پڑے ہیں اور وہ ان میں سے سفید بال چن [illegible]

تنگ اور کوتاہ "سلپ اوور" پہننے سے نہ پہننا بہتر! تنگ "سلپ اوور" پہن کر بہت ممکن ہے آپ جسمانی طور پر تنگ ہو جائیں، پر روحانی طور پر آپ گھٹ کے رہ جائیں گے۔ تنگ "سلپ اوور" پہن کر آپ کی حالت یقیناً وہی ہوگی جو بغیر بتی کے سائیکل چلاتے ہوئے سپاہی کی سیٹی سن کر ہوا کرتی ہے۔ "سلپ اوور" پہن کر بھی اگر آپ کے [illegible] ملبوس سے مستور نہ ہوئے تو اس کا استعمال بے جا ہے۔ کندھے پر سے گزرنے والی پٹی اگر زیادہ نہیں تو [illegible] موٹی ضرور ہونی چاہیے کہ آپ کے بازو پر چیچک کے ٹیکے کا سب سے اوپر کا نشان اس کے نیچے رہے۔

جہاں تک اس کی بنتی کا تعلق ہے "سلپ اوور" کی کوئی [illegible] بھی پہنے جا سکتے ہیں لیکن ایسے بنتی جس [illegible] مساقین اشکال ہوں، کسی طرح بھی قابل قبول نہیں لیکن اگر آپ پٹواری ہیں تو ایسی اشکال کا سویٹر بھی پہنا

"سلپ اوور" کو تہہ کر کے رکھنا یا اس کو کھونٹی پر ٹانگنا اس کا ایمان ہے۔ کرسی کی پشت پر، کرسی کے بازو پر ڈالنا بدتمیزی ہے۔ اسے ہمیشہ کرسی کی سیٹ پر یا کتابوں کے اوپر رکھنا چاہیے۔ اگر آپ کو "سلپ اوور" کے گریبان میں لگانے کی عادت ہے تو بہتر ہے کہ یا تو آپ سلپ اوور نہ پہنیں یا پن نہ خریدیں۔

"سلپ اوور" کے پھٹ جانے، کہنہ ہو جانے یا تنگ ہو جانے پر اسے کسی مستحق، فقیر، غریب آدمی یا اپنے [illegible] یا بیٹے کو دینے کی بجائے پتھر کے گرد لپیٹ کر دریا میں ڈال دیں۔ بیسویں صدی کے پہاڑوں کی دیومالا کے [illegible] کرنے سے اگلے موسم پر آپ کو اس سے بڑھیا "سلپ اوور" ملے گا۔

یہ تمام باتیں عام "سلپ اوور" پہننے والوں کے لیے ہیں کیونکہ اگر آپ سرکس میں ملازم ہیں تو آپ پر کوئی

خاں صاحب نے میرے رشتہ داروں کے ساتھ مجھے ایسے مابین رکھا کہ شرم وحیا دونوں طرفین کی قائم رہے۔ دوستوں اور بہی خواہوں کے درمیان جب میں ہوتی تو وہ درمیان میں ایک ریشمی پردہ بن جاتے۔ اشفاق احمد کے بعد مجھے کئی باتیں سمجھ میں آئی ہیں۔ اب میرے سامنے ہٹو بچو کہتا ہوا ہوشیار باادب ملاحظہ کہتا ہوا اور مجھ سے آگے چلنے والا آدمی نہیں ہے۔ اب میں ٹھوکر کھا جاؤں، گر جاؤں، کسی کے کندھے سے بھڑ جاؤں، اب وہ شخص نہیں جو مجھ سے آگے چلتا تھا اور مجھے بچاتا جاتا تھا۔ وہ شخص اب موجود نہیں۔

آج مجھے پتہ چل گیا جب میرے گھر ٹیکس کے کاغذات آتے ہیں۔ کبھی کبھی وارنٹ یا قانونی قسم کا سمن بھی ہے۔ پھر میرے پاس وہ بل آ جاتے ہیں جو بجلی کے زائد بل ہوتے ہیں۔ میرے پاس وہ منی آرڈر بھی آتے ہیں جن پر "اشفاق احمد"۔ مجھے معلوم نہیں منی آرڈر کیسے بھرا جاتا ہے۔ چیک بھرنے کی باریکیاں بھی میرے علم کا حصہ نہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ ڈیڑھ گنا کام کرتے تھے اور میرے لیے آدھا چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے "گواہی دینے بھی میں جاؤں گا۔ یہ کام میرے ہیں، باہر کے تمام کام میں سنبھالوں گا۔ تم بس گھر اور لکھنے پڑھنے پر توجہ دو۔"

اس حفاظت میں رہنے کے بعد، اس چادر اور چار دیواری میں رہنے کے بعد اب زندگی میرے لیے اچانک

بہت مشکل ہوگئی ہے۔ اب مجھے ان چیزوں کو دیکھنا اور ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کہ جن کی مجھے سمجھ تک نہیں۔ اگر غلطی سے کھڑکی کھلی رہ جائے اور اس میں سے ہلکا سا ہوا کا جھونکا آئے تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ Tornado داخل ہو رہا ہے۔

آپ یقین کیجیے اشفاق احمد کا یہ طریقہ کار تھا۔ ان میں خصوصیت تھی اور اس خوبی کا ان کو بھی احساس نہیں تھا وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا بنیادی مسلک موروثی اور پشتینی غیرت تھی۔

اشفاق احمد ایک غیرت مند آدمی تھے۔ وہ اپنے اور لوگوں کے درمیان بھی ایک حجاب رکھتے تھے۔ رشتے داروں اور اپنے درمیان بھی ایک پردہ حائل رکھتے تھے۔ ایسا حجاب جو غیرت مند لوگ ہی رکھ سکتے ہیں لیکن خود اشفاق احمد کو اپنی اس خوبی کا علم نہیں تھا۔ ان کے اور ان کے دوستوں کے درمیان بھی ایسی باتیں نہیں ہوئیں جو عام طور پر ہوتی ہیں۔

ممتاز مفتی کہا کرتے تھے "اشفاق احمد گونگا ہے، اس نے اپنے اوپر صرف باتوں کے خول چڑھا رکھے ہیں۔ اس کی اصلی بات کو کوئی نہیں جانتا تھا اور یہ سب ان کی موروثی اور پشتینی خوبی کی وجہ سے تھا۔ میں آپ سے عرض کروں، بار بار عرض کروں کہ اشفاق احمد کو اپنی اس خوبی کا علم نہیں تھا۔ ہر قوم اور فرد میں ایک خوبی ایسی ہوتی ہے، جس سے اور بہت سی خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں لیکن بنیادی طور پر خوبی ایک رہتی ہے۔

بتایئے ایسے انسان کو کیا اپنی خوبی پر کبھی فخر ہو سکتا تھا؟ ان کا ذاتی مسلک غیرت اور صرف غیرت تھا اور مجھ سے شادی کر کے اس ذاتی مسلک کو بڑی ٹھیس پہنچی تھی! ایسے لوگ گلی گلی کہاں، ایسے لوگ ہر عہد اور دور کی قسمت میں کہاں، مجھ جیسی بھاگوان عورت بھی کہاں جس کی چادر اور چار دیواری اس کا شوہر ہو۔

جانوروں سے محبت

جانوروں سے محبت بھی خاں صاحب کے ذاتی مسلک کا حصہ تھا۔ جس طرح وہ غیرت اپنے موروثی گاؤں سے لے کر آئے تھے۔ اسی طرح دیہاتی زندگی نے انہیں قدرتی طور پر جانوروں کی محبت عطا کی تھی۔ وہ اس محبت سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔

ماڈل ٹاؤن آباد کے بعد برسوں ہمارے گھر میں کسی Pet نے قدم نہ رکھا لیکن جب ہم "داستان سرائے" 121 سی میں منتقل ہوئے تو یہاں ایک دن کھلکھو ڈیڈی یعنی خاں صاحب کے بڑے بھائی تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ ایک چینی کتا تھا، جس کا چہرہ خوفناک، جسم مضبوط، انداز بے حد مضطرب تھا۔ اس کا سارا جسم کہہ رہا تھا "مجھے چھوڑ دو، پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔"

خاں صاحب نے بڑی محبت سے اس کے سر پر پیار دیا۔

"کھلکھو بھائی اسے کیا کھانا پلانا ہے؟" خاں صاحب نے سوال کیا۔

"وہ تو ایسا کچھ مسئلہ نہیں۔ اسے دن میں دو بار سیر ضرور کرانا ہے۔ سیر کے بغیر یہ مر جائے گا۔"

ہمارے گھر میں گیٹ سے گھستے ہی سیدھا چلتے جائیں تو آپ کو گیراج کا ایک سیاہ پھاٹک والا گیٹ نظر آئے گا۔ ...ے اندر پوائنٹر کو رکھا گیا۔ اس کی صورت ایسی خطرناک تھی کہ بچوں کو میں نے اس سے بالکل پرے رکھا۔ ...ن دنوں سوات کا تاجدار ملازم تھا۔ یہ نوجوان سیر کے لیے مامور کیا گیا۔

دو چار دن تو خاں صاحب پوائنٹر کو سیر پر لے گئے۔ ساتھ تاجدار کو بھی ٹریننگ دی گئی کہ کیسے زنجیر ڈھیلی بھی رکھنی ...ت کھینچنا بھی نہیں لیکن تاجدار کا چہرہ سیر کے وقت فق ہو جاتا۔ کتا اُسے بڑی تندی سے گھسیٹتا لے جاتا اور گھسیٹتا ہی ...تا۔ اس وحشی سے ویسے بھی گھر بھر میں کسی کی دوستی نہ ہو سکی۔ شہری زندگی میں ایسے چونچلوں کے لیے کسی کے ...ت نہ تھا۔

...ول ٹاؤن سے ملحق ان دنوں کھیت ہی کھیت تھے اور افتخار بھائی نے یہاں ٹھیکے پر زمینیں لے رکھی تھیں۔ ایک ...آئے۔ مجھے گیراج میں ساتھ لے گئے۔ پوائنٹر کو دیکھ کر انہیں مایوسی ہوئی۔ ''کاکی! یہ تو بہت ماڑا ہو گیا ہے۔''

''جی ڈیڈی جی۔ ڈبلا تو ہو گیا ہے۔''

''اسے سیر کون کراتا ہے؟''

میں نے کمزور تاجدار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ لڑکا لے جاتا ہے جی لیکن کتا شہ زور ہے۔ اس کے بس کی ...

''تو شفتو سیر کرانے لے جایا کرے۔'' کھکھو ڈیڈی بولے۔

''وہ تو شوق سے لے جائیں لیکن انہیں دفتر پہنچنا ہوتا ہے۔ شام کو وہ دیر سے آتے ہیں۔''

''اچھا کتا میں واپس لے جا رہا ہوں۔ شفتو کو بتا دینا۔ یہ نعمت تمہارے بس کی نہیں۔''

کھکھو ڈیڈی مسٹر پوائنٹر کو لے گئے۔ تاجدار کی جان میں جان آئی۔ اس نے مجھے اپنے ہاتھ دکھا کر کہا ''دیکھو آپا ...جب کھینچتا تھا تو ہم بھی ساتھ ہی گھسٹتا جاتا تھا۔'' اس کے خراشی ہاتھ دیکھ کر مجھے بڑا رنج ہوا۔ میں نے کتا رکھنے ...گی اور ایک طرح کی تسکین محسوس کی لیکن جب خاں صاحب گھر لوٹے اور گیراج کی طرف جانے لگے تو مجھے ...ہوا۔

میں نے خفت سے کہا ''وہ جی کھکھو ڈیڈی آئے تھے، وہ لے گئے۔''

''مجھے تو پوچھ لیتا قدسیہ۔'' انہوں نے مجھے جھڑکے بغیر کہا۔

''وہ جی تاجدار کے ہاتھ بھی بالکل زخمی ہو گئے ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے۔ بڑا شہ زور تھا پوائنٹر۔ یہ غریب اسے کیا ...

انہوں نے اپنی براؤن آنکھوں میں تھوڑا سا دکھ بھر کر کہا ''میں سیر کے لیے کوئی اور انتظام کر دیتا۔ بڑی اچھی نسل ...۔ تم نے ایسے ہی جانے دیا۔''

ساری تنبیہ شکایت بس اتنی تھی۔ اس کے بعد نہ کبھی پوائنٹر کا ذکر انہوں نے کیا اور نہ میں نے اس کی بات ہی کی ...دن جب تاجدار بیٹھا پڑھ رہا تھا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آپا جی آپ کا شکریہ۔ اگر وہ کتا رہتا تو مجھے سوات

جانا پڑتا اور آپ کو معلوم ہے میرا باپ فوت ہو گیا ہے۔ ماں نے اور شادی بنا لیا ہے۔ ہمارا دونوں بھائی بہت پریشا
ہم بھی پریشان ہو جاتا۔"

لیکن خاں صاحب بھلا جانوروں اور پرندوں کے بغیر کیسے خوش رہ سکتے تھے۔ پوائنٹر کے کچھ عرصہ بعد
آ گئیں۔

گھر کی آخری دیوار کے ساتھ چھوٹا سا گودام چار فٹ چوڑا اور قریباً آٹھ فٹ لمبا تھا۔ اس میں ہر قسم کا
جاتا تھا۔ فرش دھونے والی بالٹی، فرشوں پر پھیرنے والی ٹاکیاں، گندے جھاڑن، جھاڑو۔ یکدم اس میں مرغیوں کے
پنجرے بن گئے اور ان میں انڈے دینے والی مرغیاں آ گئیں۔ ہم میں سے کسی کو مرغیوں سے تو کوئی دلچسپی نہ
انڈے گننے، پکانے، چرانے میں سبھی ماہر تھے۔

انڈوں کی زیادتی ہوئی تو اب آملیٹ، کیک، بسکٹ بڑی خوشی سے پکنے لگے۔ انڈوں کی ڈشیں
لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ کچھ ایسا ہو گیا کہ انڈے گم ہونے لگے۔ گودام کا دروازہ کھولتے تو کبھی انڈے ملتے
پنجرے خالی نظر آتے۔ ان کی فیڈ تلاش کر کے لانا، اسے سٹور کرنا، مرغیوں کے پاس کھڑے ہو کر ان سے باتیں
چال پوچھنا خاں صاحب کا کام تھا۔ انیس اور خاں صاحب کی جانوروں سے محبت سانجھی تھی۔ ان دونوں کو
بطخیں، مرغیاں بھلی لگتی تھیں۔

فیڈ اور بو کے باوجود انیس لالہ اور خاں صاحب اُدھر کا رخ کر ہی لیتے تھے۔ البتہ نوکی اور چیری
تھے۔ انہوں نے کبھی نہ مرغیوں کی پذیرائی کی نہ کبھی انڈے اُٹھا کر لائے۔ جب کبھی نبیل اشتیاق آ جاتا
لیے انڈوں کا ہنگامہ چلتا۔ اشتیاق کے بیٹے بنی کو وحشت کی حد تک انڈوں کا شوق تھا۔ وہ اس شوق میں سب
اور بڑی رونق رہتی۔

انڈے پک رہے تھے۔ انڈوں پر تبصرہ، تنقید، تعریف جاری ہے لیکن اس شغل میں صرف بچے
ہوتی۔ اشتیاق کے بچے، صدیقہ جاوید کے توصیف، ثوبیہ، بیا اور ہمارے بچے کبھی کبھی اگر ثابت شہاب آ جاتا
میلے میں شامل ہو جاتا۔ آموں کی پیٹیاں، انڈوں کو دھرا ان تخت۔ یہ آدھی رات کو رہنے والے مشغلے تھے۔ صبح اٹھ
غائب۔ نہ کوئی انڈے کا چھلکا نہ کسی آم کی گٹھلی نہ ترچھے ٹیڑھے گول چوکور بچوں کے پکائے ہوئے پراٹھے۔ پتہ
ہوتی اور پتہ ہی نہ چلتا رات کیا غدر مچا ہوا تھا۔

لیکن مرغیاں اور ان کے انڈے جب چوری ہونے لگے اور فیڈ لانے کی دقت بڑھ گئی تو شہری ذہن
مشغلے کو بند کر دیا گیا۔ مرغیاں چونکہ گھر کی پالتو تھیں، اس لیے خاں صاحب نے انہیں ذبح ہونے سے بچا لیا۔
کس کے نصیب کی تھیں اور کہاں چلی گئیں۔ بہر کیف پنجرے خالی ہو گئے۔ گھر سے دیہات کی خوشبو ایک بار پھر

لیکن پچھلے گودام کی قسمت پھر جاگ اٹھی۔

اس بار خاں صاحب کہیں سے بطخیں لے کر آ گئے۔

داستان سرائے کے سامنے پکی سڑک کے پار ان دنوں ایک نالا بہتا تھا۔ اگر پہاڑوں پر یہ چشمہ

ٹول کہتے۔ اس کا پانی گہرا اور لمبی گھاس سے دونوں جانب گھرا ہوا تھا۔ ابھی ہماری سڑک کے پاس اُم عمارہ تک کوئی گھر نہ تھا۔ بطخیں آئیں تو انیس صاحب جن کو سب لالہ کہتے تھے، ان کا گوڈ فادر بن گیا۔ اس میں نہ جنتر منتر یا جادوئی بولی ہے کہ جانور اور بچے اس پائیڈ پائپر کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پندرہ بیس بطخیں پچھلے ... بن گئیں۔ آگے آگے لالہ ہاتھ میں شہتوت کی چھڑی پیچھے پیچھے قیں قیں کرتی بطخیں۔ یہ ٹولہ بڑے آرام سے پاس کرتا۔ کبھی کسی کار کے نیچے بطخ کے کچلے جانے کا حادثہ پیش نہ آیا۔

نالے کے قریب ایک چارپائی پڑی رہتی۔ لالہ اور دوسرے بچے کبھی چارپائی پر کبھی نالے کے پانی میں غوطہ زن ... پتہ نہیں وقت کا کیا اندازہ تھا یا بطخ بان اور بطخوں میں کیسے اور کیا طے تھا؟ وقتِ مقررہ پر آرام سے لالہ گھر کا رخ کرتیں اس کے پیچھے پیچھے بڑی ریت پریت کے ساتھ چلی آتیں۔ کبھی لالہ نے کسی کو شہتوت کی چھڑی نہ ماری نہ منہ میں بولا۔ بس گھر لوٹتے وقت قیں قیں کی آواز کم ہوتی گویا سکول سے بچے لوٹ رہے ہوں۔

میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ میری تربیت اور سرشت میں جانوروں اور پرندوں کی دیکھ ریکھ پر ... دیا گیا۔ میں نے ایک مرتبہ ایک کوکر سپنل پہاڑوں پر پلایا تھا۔ اس بدنصیب کو ایک رات پہاڑی چیتا برآمدے سے لے گیا۔ میں نے صبح عہد کیا کہ اب میں کبھی ایسا بیوپار نہ کروں گی جس میں پوچھے بغیر سامان کو اٹھائے جانے کا ...

اس قسم کے باوجود سن 1948ء میں جب میری والدہ لیڈی میکلیگن کالج کی پرنسپل تھیں، انہیں کسی نے ایک کتا لا دیا۔ بدقسمتی سے اس کتے کی ساری حوالگی میرے ذمے ٹھہری۔ کچھ عرصہ بعد نہ جانے کس آفتِ غیبی نے کتے کو ... وہ ایک دن میرے پاس آیا۔ بے بسی سے اپنا سر میری گود میں رکھا اور جان دے دی۔ غم کے ساتھ اس روز میں نے یہ سبق سیکھا کہ زندہ جان کا بیوپار دراصل اپنا آپ مفت بیچنا ہے۔

کبھی کبھی جانور اٹھایا نہیں جاتا وہ خود بخود رخصت ہو جاتا ہے۔ نہ کسی کو الزام دے سکتے ہیں، نہ جانور کو واپس لانے کی کوئی تدبیر کی جا سکتی ہے۔ بس ان ہی دو تجربوں کے بعد میں کچھ تو طبعاً جانوروں سے محبت کرنے والی نہ تھی۔ اوپر سے واقعات نے دل میں اور فاصلہ ڈال دیا۔

ابھی بھی کہیں اندر خاں صاحب کے دل میں کتے کی محبت کلبلا رہی تھی۔ وہ اس محبت سے مکمل طور پر فارغ نہیں تھے۔ کتوں کے بعد خاں صاحب نے بلی پالنے کا تجربہ کیا۔ انیس کی زبانی ملاحظہ ہو کہ ''یوگی'' بلا ہمارے گھر کا فرد بن گیا۔

تحریر: انیس احمد خاں

بڑے لوگوں کے گھر پیدا ہونا بھی مشکل مسئلہ ہے کیونکہ ہر شخص یہ توقع کرتا ہے کہ شاید اولاد بھی اسی طرح کی ہو۔ میرا ادب سے کوئی خاص تعلق ہے نہ تصوف کو میں سمجھتا ہوں۔ میں صرف ایک باپ کے رشتے کے حوالے سے ہی ...

ابو بہت مصروف زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ہر وقت کسی نہ کسی Activity میں پڑے رہتے تھے۔ گھر کے اندر مغربی حصے کی گلی میں بے بہا مٹکے رکھے ہوتے، جس میں وہ طرح طرح کے سرکے بناتے رہتے تھے۔ کبھی گنے کا سرکہ بنادیا، کبھی کھجوروں کا سرکہ بنادیا، لیکن ایک بات عجیب سی ہے۔ جیسا کہ اصغر ندیم سید نے کہا کہ وہ انسان کی عزت کرتے تھے اور احترام انسانیت ان کی ہر بات کا موضوع ہوتا تھا۔ ان کی یہ بات خالی کہنے تک نہیں تھی۔

1980ء کی بات ہے۔ میں اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھا کرتا تھا۔ یہ ان سردیوں کی بات ہے جب لاہور میں دھند کی چاندنی اتر آیا کرتی تھی اور کالج کے گیٹ بند نہیں کیے جاتے تھے بلکہ کھلے ہی رہتے تھے۔ جب میں تیار ہو کر کالج کے لیے نکلتا تو اکثر امی ابو صبح کی سیر پر گئے ہوتے تھے اور ہماری نانی ہی ہمیں الوداع کہتی تھی۔ ایک دن میں صبح کالج جا رہا تھا تو ابو براؤن کوٹ پہنے ہوئے امی کے ساتھ آ رہے تھے تو انہوں نے مجھے دور سے اشارہ کیا۔ میں رک گیا۔

کہنے لگے ''تسی کالج جا رہے او''

میں نے کہا ''جی''

میں نے دیکھا کہ ابو کا پیلا ڈریسنگ گاؤن آگے کی طرف سے کافی پھولا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں ایک کتا جو کافی غلیظ حالت میں تھا، وہ ان کے کوٹ سے باہر نکل آیا۔ میری نانی جو میرے پیچھے ہی کھڑی تھی، کہنے لگی:

''اشفاق اگے مصیبتاں گھٹ نیں جیہڑا توں کتا چک لے آیا ایں۔''

(اشفاق کیا پہلے مصیبتیں کم تھیں جو تم ایک کتا اُٹھا کر لے آئے ہو۔)

ابو کہنے لگے ''امی یہ کتا نہیں ہے، یہ جوگی ہے۔ تھوڑی دیر کا مہمان ہے چلا جائے گا۔ یہ آپ کو زیادہ تنگ نہیں کرے گا۔ بس دس بارہ دن ہی رہے گا۔''

ابو نے خیر اس کتے کی اتنی سیوا نہیں کی۔ البتہ اماں کی ڈیوٹی ضرور بڑھ گئی۔ ظاہر ہے اسے نہلانا پڑتا تھا، پھر دودھ وغیرہ پلانا۔ ایک روز جب اس کتے کی حالت خراب ہو گئی تو ابو کہنے لگے، اسے کسی ویٹرنری ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں اور ہم ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔ ڈاکٹر نے کہا، اشفاق صاحب اسے ٹھیک ہونے میں کچھ دیر لگے گی۔

اس پر ابو کہنے لگے ''ڈاکٹر صاحب! اسے کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ عزتِ نفس کا مارا ہوا ہے۔ یہ اپنے گروہ سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے اس طرح کا ہو گیا ہے۔''

آپ لوگ یقین کریں کہ ٹھیک دس بارہ دن کے بعد وہ بلا جوگی تھا اور جو واقعی ابو کا لاڈلا بھی ہو گیا تھا، وہ دس بارہ دن کے بعد نہ ہمارے گھر رہا اور وہ تندرست ہو کر خود ہی چلا گیا۔ شاید وہ بلا ابو کی بات سن کر سمجھ گیا تھا اور اسے جتنا وقت دیا گیا تھا، وہ پورا ہونے پر وفاداری سے چلا گیا۔

اب نہ وہ جوگی ہے نہ جوگی کا رکھنے والا۔ بہر حال یہ زندگی کا دستور ہے۔ یہ Creative لوگ خدا کے چنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں۔ یہ خود ہی لکھ لیتے ہیں۔ خود ہی گا لیتے ہیں۔ یہ روشن آرا بیگم کے اندر سے خود بخود ہی اُمڈتے ہیں۔ یہ سکھائے نہیں جاتے۔

میں خوش قسمت ہوں کہ میرے والدین دونوں ہی خدا کے چُنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں۔ خدا میری والدہ کو صحت عطا کرے لیکن ابو کی جو کمی ہے، وہ ہر وقت رہتی ہے۔

آج بھی جب میں ان کی الماری کھولتا ہوں تو مجھے اس میں سے ابو کے بالوں کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ میں ...یلا سویٹر مانگ کر لے گیا ہوں اور اس میں اب بھی ابو کی تھوڑی تھوڑی خوشبو رہ گئی ہے، خدا کرے وہ ہمیشہ

...ہر گھر جوگی سے خالی ہو گیا۔ مجھے کچھ فراغت مل گئی۔ میں اپنے کام یک طرف ہو کر کرنے لگی لیکن خاں ...معاملے میں مجھ سے مختلف تھے۔ وہ تلخ و شیریں کے الگ الگ خانے نہ بناتے۔ انہیں لاشعوری طور پر علم تھا کہ ...کھٹا میٹھا دونوں ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ مصیبت اور راحت تو بچوں عام بچوں کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ...کھٹا میٹھا چرپرا اور کڑوا کڑوا اخ تھو الگ الگ نہیں ہوا کرتے۔ کبھی حلق میں میٹھا اتر جاتا ہے، کبھی بوند دو بوند ...زہر کہیں سے آ جاتے ہیں۔ اسی لیے انہیں نئے تجربات کرنے آسان تھے۔ کھانے پینے میں بھی وہ کافی، ...میں، گل گھوٹو بیر اور ساتھ ساتھ کھٹے میٹھے چونسا آم بہت شوق سے کھاتے۔ قلمی آم، میٹھا خربوزہ، کیلے، مسمی ...کی پسند تھی۔ شرابیں جو شرابوں سے ملیں تو مزہ کس قدر بڑھتا ہے۔ اس کا اندازہ تو کسی شرابی ہی کو ہوگا لیکن میٹھا ...ساتھ چلیں تو اس کی گرامر صرف خاں صاحب خوب سمجھتے تھے۔

...شہری زندگی میں جانوروں کا پالنا کس طرح بوجھ بنتا ہے۔ اس کے لیے غالباً میں تیار نہ تھی لیکن میرا رویہ غیر ...مجھے لگتا کہ اتنے سارے اور کاموں کے ساتھ یہ اضافی عیاشی گھر پر نہیں کی جا سکتی لیکن اس بار خاں صاحب پر ...تھیں۔

اچانک ایک روز صبح صبح باہر نکلی تو علی کھڑا تھا۔ اس کے پاس چھوٹی ٹوکری تھی اور اس ٹوکری میں کوئی چیز ہل رہی ...نہیں خاں صاحب کے پاس سحر القلوب کا کوئی تعویذ تھا یا ان کی مسکراہٹ میں ایسی کوئی موہنی تھی کہ ہر شخص ان کے ...نے کو دوڑتا۔ میں نے کچھ پوچھنا چاہا تو علی بولا......

"میں خاں صاحب کے لیے سیامی بلا لایا ہوں۔ کل جب "تلقین شاہ" کی ریکارڈنگ ہو رہی تھی تو ریہرسل ...انہوں نے بتایا تھا کہ انہیں سیامی بلیاں پسند ہیں۔"

لیجیے گھوڑا گھڑسال میں پہنچ گیا۔

سیامی بلا خاں صاحب کی گود میں چڑھ بیٹھا۔ کچھ پچکارنے، ماتھے پر کھجلنے، ہاتھ چٹوانے میں دقت لگا ہو تو لگا ...دیر نہیں لگتی۔ یہ پہلی نظر کا عشق تھا۔ شام کو بچوں سے تعارف کراتے ہوئے خاں صاحب بولے...... "بھئی یہ ...جب یہ ذرا سا بڑا ہوگا تو دیکھنا کتنا خوبصورت نکلے گا۔ ابھی تو چھوٹا سا روئی کا پھنبہ ہے۔"

سامبا سے انیق خاں کو محبت ہو گئی۔ وہ کالج جاتے ہوئے اور واپسی پر ضرور سامبا سے دست پنجہ کرتا لیکن سامبا ...کی پہلی ترجیح خاں صاحب تھے۔ صبح جب وہ ناشتے کے لیے آتے تو اپنی کرسی ذرا سی میز سے پیچھے رکھتے اور جھولی